الجواب

زمین کی شخصی ملکیت | آپ تسلیم کرتے ہیں کہ مولانا اسلم جیراجپوری نے جس آیت سے ملکیت زمین کا عدم جواز ثابت کرنا چاہا ہے وہ کوئی قانون بنانے والی آیت نہیں ہے لیکن اس کے بعد بھی آپ مجھ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ تم ملکیت زمین کے جواز ہی میں کوئی آیت پیش کرو قبل اس کے کہ میں آپ کے اس مطالبہ کو پورا کروں میں قاعدۂ کلیہ آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ جب کسی رواج عام کے متعلق سکوت اختیار کیا جائے تو اس کو ہمیشہ رضا اور جواز ہی پر محمول کیا جائے گا۔ مثال کے طور پر اگر لوگوں نے زمین کو ایک گزرگاہ بنا رکھا ہو اور وہاں کوئی نوٹس اس فعل کی ممانعت کے لیے نہ لگایا گیا ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہاں راستہ چلنا جائز ہے۔ اس جواز کے لیے کسی اثباتی اجازت کا ہونا ضروری نہیں ہے اس لیے کہ وہاں ممانعت کا نہ ہونا خود ہی اجازت کا مفہوم پیدا کر رہا ہے۔ اسی طرح زمین کی ملکیت کا مسئلہ ہے۔ اسلام سے پہلے صدیوں سے دنیا میں یہ دستور جاری تھا قرآن نے اس کی ممانعت نہ کی۔ کوئی صریح حکم اس کے موقوف کرنے کے لیے نہ دیا۔ کوئی دوسرا قانون اس کی جگہ لینے کے لیے نہ بنایا۔ اس کے معنی یہی تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پرانے دستور کو جائز رکھا، اور یہی معنی لیکر مسلمان ابتدائے اسلام سے اب تک زمین کو اسی طرح شخصی ملکیت بناتے رہے ہیں جس طرح اسلام سے قبل وہ شخصی ملکیت بنائی جاتی رہی تھی۔

قرآن کی تصریحات | اس قاعدے کے مطابق اگر قرآن میں زمینداری کی کوئی اثباتی اجازت نہ ہوتی تب بھی اس کا سکوت اجازت ہی کا ہم معنی ہوتا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس باب میں قرآن بالکل ساکت نہیں ہے بلکہ متعدد مواقع پر اس نے زمینداری کے پرانے دستور کو تسلیم کیا ہے۔ زمین کی شخصی ملکیت دو ہی اغراض کے لیے ہوتی ہے۔ یا تو زراعت اور استثمار کے لیے، یا سکونت کے لیے قرآن کریم ان دونوں اغراض کے لیے زمین

کی شخصی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے۔ سورۂ انعام میں ہے:۔

كُلُوا مِنْ ثَمَرِهٖ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ (۶:۱۴) ۔ اس کے پھل میں سے کھاؤ جب کہ وہ پھل لائے اور اس کی فصل کٹنے کے دن اس کا (خدا کا) حق ادا کرو۔

یہاں خدا کا حق ادا کرنے سے مراد زکوٰۃ و صدقہ ہے ظاہر ہے کہ زمین کی پیداوار میں سے خدا کا حق خود خداوند تعالیٰ کو نہیں دیا جا سکتا، بلکہ اس کے بندوں ہی کو دیا جا سکتا ہے۔ پھر اس کے بندوں میں سے بھی یہ حق اسی شخص کو دیا جائے گا۔ جو زمین نہیں رکھتا اور وہی شخص اس حق کو ادا کرے گا جو زمین رکھتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پرانے نظام معاشی کو تسلیم کر لیا جس میں بعض لوگ زمین رکھتے تھے، اور بعض نہیں رکھتے تھے البتہ اس نظام میں اس نے اتنی اصلاح کر دی کہ زمین رکھنے والے لوگوں کی پیداوار میں زمین نہ رکھنے والوں کا حق قائم کر دیا۔ اسی کی تائید ایک دوسری آیت سے ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے:۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ (۲:۳۷) اے ایمان والو خرچ کرو اپنی پاک کمائیوں میں سے اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالی ہیں

یہاں زمین کی پیداوار میں سے خرچ کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس کے متعلق سب کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد زکوٰۃ و خیرات ہے۔ اس حکم کی بجا آوری وہی شخص کرے گا جو پیداوار کا مالک ہو گا، اور انہی لوگوں پر یہ انفاق کیا جائے گا۔ جو صاحب مال و جائداد نہیں ہیں چنانچہ قرآن مجید میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ خیرات کے مستحق کون ہیں۔ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ (۲:۳۷) اور اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ الخ (۹:۸)

دوسری غرض کے متعلق سورہ نور میں ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا اے مسلمانو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل

غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا .... نہ ہو جب تک ان کے رہنے والوں سے پوچھ نہ لو اور (جب داخل ہو تو) ان کو سلام کرو..... اور اگر تم وہاں کسی کو نہ پاؤ

فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا

فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ (۲۴) تو ان میں نہ جاؤ تا وقتیکہ تم کو اجازت نہ دی جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ سکونت کے لیے بھی زمین کو اپنی ملک میں رکھنا اللہ تعالیٰ نے جائز رکھا ہے اور مالک مکان کا یہ حق تسلیم فرمایا ہے کہ اس کے مکان میں کوئی شخص اس کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہو۔

ممکن تھا کہ یہاں پھر اسی قسم کی نکتہ آفرینی نہ کی جاتی جیسی مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ میں کی گئی ہے۔ کہا جا سکتا تھا کہ ان تمام آیات میں صیغۂ جمع استعمال کیا گیا ہے۔ جس سے مراد قوم کی اجتماعی ملکیت ہے نہ کہ فرداً فرداً ہر شخص کی ملکیت مگر غنیمت ہے کہ مولانا اسلم جیراجپوری نے خود اس نکتہ آفرینی کا سد باب کر دیا ہے۔ وہ چوپایوں پر شخصی ملکیت تسلیم کرتے ہیں اور اس آیت سے دلیل لاتے ہیں کہ:-

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُم مِّمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ (۳۶:۵)

اس آیت میں بھی صیغۂ جمع استعمال کیا گیا ہے، مگر مولانا نے اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا کہ تمام چوپائے تمام انسانوں کی مجموعی ملکیت ہیں۔ لہٰذا مذکورہ بالا آیات سے بھی یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ قرآن مجید زمین کے معاملہ میں اشتراکی نظام قائم کرنا چاہتا ہے۔ اشتراکیت اور اسلام میں اصولی فرق یہ ہے کہ اشتراکیت مالکین (Haves) اور غیر مالکین (Have nots) کی تقسیم کو بالکل مٹا دینا چاہتی ہے، مگر اسلام اس تقسیم کو باقی رکھکر اس کی بے اعتدالیوں کا علاج زکوٰۃ و صدقہ سے کرتا ہے۔

تاویل احادیث | آپنے جن احادیث کا حوالہ دیا ہے۔ ان میں زمین کی شخصی ملکیت کو ناجائز نہیں کہا گیا ہے۔ بلکہ "اپنے بھائی کو دیدینے یا روک رکھنے" کا ارشاد خود بتا رہا ہے کہ ملکیت تو جائز ہے البتہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشورہ یہ تھا کہ مالک زمین اگر خود کاشت نہ کر سکے تو اپنے دوسرے بھائی کو کاشت کرنے کی اجازت دیدے۔ فقہاء کے ایک قلیل گروہ نے جن میں طاؤس اور ابن حزم ظاہری

شامل ہیں، ان احادیث سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ زمین کو کرایہ پر دینا مطلقاً ناجائز ہے لیکن جمہور فقہاء کی تحقیق یہ ہے کہ اس زمانے میں چونکہ مسلمانوں کی مالی حالت خراب تھی، اور بہت سے مہاجرین بے سرو سامانی کے عالم میں پڑے ہوئے تھے، اس لیے آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مالدار مسلمانوں کو مواساۃ اور رفق کی تعلیم دی، اور ان سے فرمایا کہ جن زمینوں کو تم خود کاشت نہ کر سکو ان میں اپنے دوسرے بھائیوں کو کاشت کرنے کی اجازت دے دو۔ لہٰذا ان احادیث میں جو نہی وارد ہوئی ہے وہ تحریم کے معنی میں نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول خود بخاری نے نقل کیا ہے۔

انّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم ینہ عنہ ولکن قال ان یمنح احدکم اخاہ خیرٌ لہ من ان یاخذ شیئاً معلوماً۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا بلکہ آپ کا ارشاد یہ تھا کہ اگر تم میں کوئی شخص اپنے بھائی کو ویسے ہی زمین دیدے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ اس سے کچھ کرایہ وصول کرے۔

ترمذی نے بھی ابن عباس کا یہ اثر نقل کیا ہے اور اس کے آخری الفاظ یہ ہیں کہ ولکن اراد ان یرفق بعضھم ببعض (مگر حضور کی مراد یہ تھی کہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی کریں)۔

حضرت ابن عمر کا جو واقعہ آپ نے نقل کیا ہے اس کا آخری حصہ چھوٹ گیا ہے۔ رافع بن خدیج نے جب ان کو نھی عن کراء الارض والی حدیث سنائی تو انہوں نے رافع سے کہا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو زمینیں کرایہ پر دی جاتی تھیں" (کنت اعلمُ فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الارض تکری) لیکن چونکہ حضرت ابن عمر کا تقویٰ بہت بڑھا ہوا تھا، اور وہ ڈرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضور نے اس باب میں کوئی حکم دیا ہو اور وہ ان کے علم میں نہ ہو اس لیے انہوں نے محض احتیاطاً اپنی زمینیں کرایہ پر دینی بند کر دی تھیں۔

ایک دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں زمیندار اپنی زمین کو کرایہ پر دیتے وقت

کسی خاص اور بہتر حصۂ زمین کی پیداوار کو اپنے لیے مخصوص کر لیتا تھا۔ اس طرح کا اشتراط چونکہ مجہول ہوتا تھا اور اس میں غرر پایا جاتا تھا اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منع فرما دیا لیکن سونے چاندی کی مقررہ مقدار پر زمین کاشت پر دینا عہد رسالت میں جائز تھا۔ اس بحث کی تفصیلات فتح الباری جلد پنجم میں ص ۵ اسے ۸ تک ملاحظہ فرمائیے۔

انبیاء کرام کی سنت | آخر میں جس حدیث سے آپ نے یہ شبہ نکالا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کمیونسٹ تھے' اس پر اگر آپ غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کو کمیونزم سے کچھ بھی علاقہ نہیں۔ انبیاء کرام کی ساری زندگی خدمت دین کے لیے وقف تھی۔ اس خدمت میں ان کا انہماک ان کو کسب معاش سے روکتا تھا۔ زیادہ تر ان کی بسر اوقات مومنین کے ہدایا پر ہوتی تھی' یا ان فتوح پر جو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو عطا کرتا تھا۔ ایسے مال میں اپنی زندگی تک تصرف کرنا' ان کے لیے جائز تھا لیکن اس کو ایسی ذاتی ملکیت بنا دینا کہ وہ ان کے بعد ان کی اولاد کو وراثت میں ملے' ان کے نزدیک جائز نہ تھا' اور اپنی صداقت و للہیت کی بنا پر وہ اس کو مکروہ سمجھتے تھے۔ اسی لیے ان قدسی نفس بزرگوں کا یہ دستور تھا' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی پیروی کی' کہ جو کچھ وہ چھوڑ جائیں وہ قوم کے لیے صدقہ ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے ایک بادشاہ اپنی زندگی تک ان اموال میں تصرف کر سکتا ہے جو اس کے قبضہ میں ہوں' لیکن اس کی وفات کے بعد اس مال میں قانون وراثت جاری نہ ہوگا۔ بلکہ وہ سب اموال اس کے جانشین کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔ اس کو کمیونزم کون کہہ سکتا ہے۔

مسئلہ تقدیر | عقیدۂ تقدیر کی لفظی صورت متعین کرنے میں اختلاف کی کافی گنجائش ہے لیکن اس کی معنوی صورت خود قرآن نے مقرر کر دی ہے' اور وہ بین الجبر و القدر ہے۔ کلیۃً جبر یا کلیۃً قدر کا جن لوگوں نے حکم لگایا ہے انہوں نے گویا بعض کتاب کو قبول کیا اور بعض کتاب کو اگر لفظاً نہیں تو معنًی رد کر دیا۔ عام طور پر اس عقیدہ کو جن الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے' وہ اپنی جگہ درست ہیں بلاشبہ بری اور

بعملی تقدیر اللہ ہی کی طرف سے ہے لیکن اگر کوئی شخص ان الفاظ کا مفہوم بالکلیہ جبر کی طرف پھیر دے تو وہ مسلک صحیح سے ہٹ جائے گا۔ اسی طرح اگر اس عقیدے کے لیے کچھ دوسرے الفاظ استعمال کیے جائیں اور ان کا مفہوم بالکلیہ قدر کی طرف پھیر دیا جائے تو یہ بھی درست نہ ہوگا۔ صحت عقیدہ کا مدار در اصل الفاظ پر نہیں بلکہ معنی پر ہے آدمی یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرے کہ خداوند تعالیٰ قادر مطلق ہے، زمین و آسمان کی تمام چیزیں اس کے زیر حکم ہیں۔ کوئی شئے اس کے اذن کے بغیر نہ وجود میں آسکتی ہے، نہ حرکت کرسکتی ہے اور نہ فنا ہوسکتی ہے۔ انسان بھی تمام موجودات کی طرح اس کا محکوم ہے، اور اس کی توفیق کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا لیکن اس کے ساتھ خداوند عالم نے انسان کو کچھ اختیار بھی دیا ہے جس کے غلط یا صحیح استعمال کی ذمہ داری یقیناً اس پر ہے، اور اس کا فرض ہے کہ اپنے اختیار تمیزی کو ٹھیک ٹھیک استعمال کرکے اپنی حد وسع تک کوشش کرے خواہ نتائج خاطر خواہ ہوں یا نہ ہوں، اس لیے کہ نتائج انسان کی سعی و عمل پر منحصر نہیں ہیں بلکہ مشیت الٰہی کے تابع ہیں۔ یہ معنی جب ذہن میں راسخ ہو جائے تو انسان کو حق ہے کہ اس کو جس طرح چاہے ادا کرے ممکن ہے کہ اس کو الفاظ کا کوئی ایسا جامہ نہ مل سکے جو پوری طرح اس معنی پر راست آجائے لیکن اگر اس کا عقیدہ صحیح اور کامل ہے تو الفاظ کے ناقص اور غیر جامع ہونے سے ایمان میں کوئی خرابی نہیں آتی۔

اب صرف اتباع و اطاعت رسولؐ کا مسئلہ قابل جواب رہ گیا ہے۔ چونکہ یہ تفصیلی بحث چاہتا ہے اور رسالہ میں اتنی گنجائش نہیں کہ چوہدری صاحب کی بحث اور اس کا جواب ایک ساتھ درج کیا جاسکے اس لیے ہم نے ان کی بحث اسی اشاعت میں درج کردی ہے اور اس کا جواب انشاء اللہ المستعان آئندہ اشاعت میں دیں گے۔